عہد و میثاق کی پہلی دفعہ کی حیثیت رکھتی ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہوا ہے۔ اور دوسرے موقع پر اس پہلو سے ہوا ہے کہ یہی چیز درحقیقت تمام نیکیوں اور بھلائیوں کا سرچشمہ، سب کی کلید، سب کی مددگار، اور سب کے حصول کا وسیلہ وذریعہ ہے۔ گویا یوں سمجھئے کہ شریعت کا آغاز بھی اسی سے ہوتا ہے اور پھر شریعت کا قیام وبقا بھی اسی پر منحصر ہے۔ پہلے مرحلہ میں اس کا لازمہ زکوۃ ہے۔ دوسرے مرحلہ میں اس کا ساتھی صبر ہے، دین جب عقیدہ سے نکل کر عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اس کا اولین قدم یہی ہوتا ہے اور پھر دین کی اقامت اور عہد الٰہی کی تجدید کے لیے جو جدوجہد عمل میں آتی ہے اس میں بھی اولین اہمیت اسی کو حاصل ہوتی ہے۔ اس کی اس اہمیت کے سبب سے ہم چاہتے ہیں کہ اس کے دونوں پہلوؤں پر بالاجمال گفتگو کریں۔

درحقیقت تمام احکام شریعت کی بنیاد نماز اور زکوۃ پر ہے۔ اسلام میں بنیادی نیکیوں کی حیثیت نماز اور زکوۃ کو حاصل ہے۔ دوسری نیکیاں انہی دو بڑی نیکیوں کے تحت ہیں، بلکہ انہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کے بے شمار مقامات میں ان دونوں کا ذکر اس طرح آیا ہے کہ ان کا ذکر آ گیا تو گویا سب کا ذکر آ گیا۔ مثلاً فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُو الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ (توبہ/۱۱) (پس اگر وہ توبہ کرلیں، نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو تمھارے دینی بھائی بن گئے) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف میں فرمایا ہے، کَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ وَکَانَ عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیاً (مریم/۵۵) (اور وہ اپنے کنبے کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی منقول ہے، وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ حَیاً (مریم/۳۱) (اور اس نے مجھے نماز اور زکوۃ کی ہدایت کی جب تک جیوں۔

مذکورہ بالا آیات میں اگرچہ ذکر نماز اور زکوۃ ہی کا ہے لیکن ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ صرف یہی دو چیزیں مراد نہیں ہیں بلکہ دوسری نیکیاں بھی مراد ہیں لیکن ان ساری نیکیوں کی جڑ چونکہ یہی دونوں چیزیں ہیں تو جب جڑ کا ذکر آ گیا تو شاخوں کا ذکر

خود بخود ڈھو گیا۔

ان دونوں چیزوں کی حقیقت پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ فی الواقع دین میں ان کی حیثیت ہونی بھی یہی چاہئے۔ ایک آدمی کے لئے اللہ تعالیٰ کا ٹھیک بندہ بن جانے کے لئے آخر کس چیز کی ضرورت ہے؟ اسی چیز کی کہ ایک طرف وہ اپنے رب سے ٹھیک ٹھیک جڑ جائے اور دوسری طرف خلق سے اس کا تعلق صحیح بنیاد پر قائم ہو جائے نماز انسان کو خدا سے صحیح طور پر جوڑ دیتی ہے اور انفاق سے خلق کے ساتھ اس کا تعلق بالکل صحیح بنیاد پر استوار ہو جاتا ہے۔ ایک شخص اگر اپنے رب کے حقوق ادا کرتا ہے اور خلق کے حقوق پہچانتا ہے تو وہ تمام نیکیوں کی کلید پا گیا۔ انہی دو کی مدد سے وہ دوسری ساری نیکیوں کے دروازے بھی کھول لے گا اور سب کا اختیار کر لینا اس کے لیے سہل ہو جائے گا۔ اسی سے ملتی جلتی بات حضرت مسیحؑ نے بھی فرمائی ہے۔ انجیل متی ۲۲/ ۳۵۔۴۰ میں ہے۔

”اور ان میں سے ایک عالم شرع نے آزمانے کے لیے اس سے پوچھا اے استاد! توریت میں کون سا حکم بڑا ہے؟ اس نے اس سے کہا کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے۔ اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ، انہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار ہے۔“

حضرت مسیح علیہ السلام کے اس ارشاد سے صاف واضح ہے کہ انہی دونوں نیکیوں پر تمام دین و شریعت کا مدار ہے اور ان کا بنیادی نیکیاں ہونا صرف قرآن ہی سے واضح نہیں ہوتا بلکہ تورات، انجیل اور تمام انبیاء کے صحیفوں میں ان کی یہی حیثیت ہے۔

نماز ان تمام احکام کا سرچشمہ ہے جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں اور زکوۃ ان تمام احکام کا منبع ہے جو حقوق العباد سے متعلق ہیں۔ یہاں موقع کے اقتضا سے ہم چند ایسی آیتیں نقل کرتے ہیں جن سے یہ حقیقت واضح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان جو عہد و پیمان ہوا ہے ایمان کے بعد سب سے زیادہ اہمیت اس میں جس چیز کو حاصل ہے وہ نماز ہے۔ بنی اسرائیل کے میثاق کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَىْ عَشَرَ نَقِيْباً وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِىْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (مائدہ/۱۲)

اور یاد کرو جب کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور اٹھائے ان میں سے بارہ نقیب اور اللہ نے کہا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے رہو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اگر تم یہ سب کچھ کرتے رہو گے تو میں تمہارے گناہ تمہارے اوپر سے جھاڑ دوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، لیکن جس نے اس عہد کے بعد تم میں سے کفر کیا تو وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

یہ قرآن مجید نے اس عہد کا حوالہ دیا ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا۔ اس میں دیکھیے کہ پہلی چیز جس کا ذکر آیا ہے وہ نماز کا قائم رکھنا ہے۔

اسی طرح جہاں بنی اسرائیل کے دور زوال وانحطاط کا ذکر کیا ہے وہاں سب سے پہلے ان کے اندر سے جس چیز کے غائب ہونے کا ذکر کیا ہے وہ نماز ہی ہے اور اسی کے غائب ہونے کا نتیجہ یہ بیان کیا ہے کہ وہ شہوات وخواہشات کے پیچھے پڑ گئے۔ فرمایا۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيّاً (مریم /۵۹)

پھر ان کے بعد ان کے ایسے جانشین آئے جنھوں نے نماز ضائع کردی اور شہوات کے پیچھے پڑ گئے تو یہ عنقریب ایک بڑی گمراہی سے دوچار ہوں گے۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عہد الٰہی پر قائم رہنے کے لیے پہلی چیز جو مطلوب ہے وہ نماز کا قائم رکھنا اور اس کی حفاظت

کرنا ہے۔فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ (اعراف/۱۷۰)

جو کتاب الٰہی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے ہوئے ہیں اور جنھوں نے نماز قائم کی (تو وہی لوگ مصلح ہیں) اور ہم مصلحین کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔

اس آیت سے ایک طرف تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کتاب اللہ یا بالفاظ دیگر عہد الٰہی پر قائم رہنا صرف ان لوگوں کے لیے ممکن ہے جو نماز کو قائم کرنے والے ہوں اور دوسری بات اس سے یہ نکلتی ہے کہ جو لوگ کتاب اللہ پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہیں اور لوگوں کو اس پر مضبوطی کے ساتھ جمائے رکھنے کے لیے نماز قائم کریں درحقیقت وہی لوگ ہیں جو اس زمین کی اصلاح کرنے والے ہیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی سعی اصلاح کا اجر پائیں گے۔

صبر اور نماز اقامت دین کی جدوجہد میں وسیلۂ ظفر ہیں:

نماز کی یہ اہمیت میثاقِ الٰہی کے پہلو سے بیان ہوئی ہے جس میں اس کے تابع کی حیثیت زکوٰۃ کو حاصل ہوئی ہے۔اب ہم مختصر طور پر اقامتِ دین کی جدوجہد کے نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت پر روشنی ڈالیں گے جس میں اس کے پہلو بہ پہلو صبر کا ذکر آتا ہے اور جس کی طرف وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کی زیر بحث آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

قرآن حکیم میں تدبر کرنے والوں پر یہ حقیقت واضح ہے کہ اقامت دین کی جدوجہد میں کامیابی کا انحصار اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں پر رکھا ہے، ایک صبر پر اور دوسرے نماز پر۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے اندر اقامتِ دین کی جو جدوجہد شروع کی اس میں اپنی قوم کو انہی دو چیزوں سے مدد حاصل کرنے کی تلقین کی فرمایا۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا (اعراف/ ۱۲۸)

اور موسیٰؑ نے اپنی قوم کو نصیحت کی کہ اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو۔

اس آیت میں اگرچہ نماز کے بجائے اللہ کا لفظ آیا ہے لیکن ہر شخص سمجھ سکتا ہے

کہ اللہ تعالیٰ سے استعانت کا واحد ذریعہ نماز ہی ہے چنانچہ دوسری آیات میں اس چیز کی تصریح کردی گئی ہے۔

اسی طرح مسلمانوں نے جب اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدو جہد شروع کی اور اس راہ کی آزمائشوں سے انھیں سابقہ پیش آیا تو انھیں بھی صبر اور نماز ہی سے مدد حاصل کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ۔ وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّلٰـكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ۔ وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَـوۡفِ وَالۡجُـوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالُوۡا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ۔ اُولٰٓـئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ (البقرہ/ ۱۵۷)

اے ایمان والو، صبر اور نماز سے مدد چاہو، بے شک اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہوتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمھیں احساس نہیں ہوتا۔ اور ہم تمھیں آزمائیں گے کسی قدر خطرہ، بھوک اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور خوش خبری دو ان ثابت قدموں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کو کسی آزمائش سے سابقہ پیش آتا ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی عنایتیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ راہ یاب و بامراد ہونے والے ہیں۔

ٹھیک یہی تلقین نبی کریم ﷺ کو بار بار مکی زندگی کے اس دور میں کی گئی ہے جب آپ نے اسلام کی دعوت بلند کی اور آپ کو ہر طرح سے مخالفوں اور معاندوں نے گھیر لیا۔ چنانچہ مکی سورتوں میں کفار و مشرکین کی مخالفت کے ذکر کے بعد بالعموم آپ کو ثابت قدم رہنے اور ساتھ ہی نماز پڑھنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ اس کی مثالیں اکثر سورتوں میں مل سکتی ہیں۔ ہم بخیالِ اختصار صرف چند آیتوں کا حوالہ دیتے ہیں۔

فرمایا:

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا (طٰہٰ/۱۳۰)	پس جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، سورج کے طلوع اور اس کے غروب سے پہلے۔
فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (ق/۳۹)	پس صبر کرو ان باتوں پر جو یہ کہتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔
وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ (طور/۴۸)	اور ثابت قدم رہو اپنے رب کے فیصلہ تک بے شک تم ہماری نگاہوں میں ہو اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو جس وقت تم اٹھتے ہو۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ صبر اور نماز یہ دو ہتھیار ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حق و باطل کی کشمکش میں باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے دیے ہیں اور اگر ان دونوں کی فطرت پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ یہ دونوں باہم دیگر ایک دوسرے کو غذا اور قوت بہم پہنچاتے ہیں۔ صبر سے نماز کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور نماز سے صبر کو غذا اور قوت ملتی ہے۔ نماز جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے، بڑی صبر طلب چیز ہے۔ جب تک کسی شخص میں صبر کی پختہ صفت موجود نہ ہو اس وقت تک وہ نماز کا صحیح حق ادا نہیں کر سکتا۔ استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کا خیال تو یہ ہے کہ اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ میں اصل مقصود نماز پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جانے کی تاکید ہے۔ اس کے ساتھ صبر کا ذکر جو آیا ہے وہ محض اس لیے کہ اس کی حیثیت نماز کے لیے شرط اور ذریعہ کی ہے کیوں کہ نماز پر استقلال کے ساتھ جمے رہنا صبر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ نماز کی مثال مولانا کے نزدیک ایک عظیم پل کی ہے، جس کی

تعمیر صرف ایک محکم بنیاد ہی پر ممکن ہے، مولانا کا استدلال وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ا ورا پنے اہل کو نماز کا حکم دو اور اس پر جم جاؤ (طٰہٰ/۱۳۲) اور اس مضمون کی بعض دوسری آیات سے ہے۔ ہمارا نقطۂ نظر ذرا اس سے مختلف ہے اور وہ یہ کہ صبر نماز کو تقویت پہنچاتا ہے۔ اسی طرح صبر جس کی اصل حقیقت زندگی کے مراحل میں موقفِ حق پر ڈٹے رہنا ہے، کسی مضبوط سہارے کے بغیر انسان کو حاصل نہیں ہوسکتا اور یہ مضبوط سہارا اگر کوئی ہوسکتا ہے تو خدا ہی کا سہارا ہوسکتا ہے جو سب سے بہتر طریقہ پر نماز کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ (ثابت قدم رہو اور تمہارا ثابت قدم رہنا ممکن نہیں ہے مگر اللہ ہی کے سہارے سے (نحل/۱۲۷)

مشکلات ومصائب کے مقابل میں اپنے موقف پر جمے رہنا، حوصلہ کو پست نہ ہونے دینا، ایک نہایت اعلیٰ وصف ہے جس کے بغیر نہ کسی فرد کی زندگی سنورتی ہے اور نہ کسی قوم کی زندگی بنتی ہے۔ اس وجہ سے قومیں اپنے افراد کے اندر اس چیز کو پیدا کرنے کے لیے مختلف قسم کی تدبیریں اختیار کرتی ہیں۔ اس زمانے میں سب سے بہتر نسخہ اس کی تربیت کے لیے یہ سمجھا جاتا ہے کہ افراد کے اندر شہرت وناموری کے جذبہ کو ابھارا جائے یا قومی عزت اور ناموس وطن کی رگ حمیت کو چھیڑا جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایک قسم کی گرمی دلوں کے اندر ان چیزوں سے بھی پیدا ہو جاتی ہے لیکن ان کا پیدا کیا ہوا نشہ شراب کے نشہ کی طرح عارضی اور ناعاقبت اندیشانہ ہوتا ہے برعکس اس کے مذہب انسان کے عزم وحوصلہ کی تربیت اس طرح کرتا ہے کہ ایک طرف اس کی زندگی کے ہر مرحلہ کے لیے ایک موقفِ حق معین کر دیتا ہے اور اس پر ڈٹ جانے کی تاکید کرتا ہے دوسری طرف اس کو نماز کے واسطے سے آسمان وزمین کی سب سے بڑی طاقت سے جوڑ کر اس کو زندگی کا یہ ملکوتی نصب العین دے دیتا ہے کہ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (انعام/۱۶۲) (کہہ دو، میری نماز، قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لئے ہے) غور کیجئے کہ حق

پر استوار رہنے اور باطل سے نبرد آزما ہونے کے لیے جو روح اس تربیت سے پیدا ہو سکتی ہے، وہ تمغے اور انعامات کی لالچ اور حب قومی وطنی کے کھوکھلے نعروں سے پیدا ہو سکتی ہے؟

یہاں ایک لطیف نکتہ اور بھی ملحوظ رکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ جہاں جہاں نماز کا ذکر اقامت دین کی جدوجہد کے وسیلہ یا ہتھیار کی حیثیت سے ہوا ہے وہاں اول تو اس کے ساتھ صبر کا ذکر ضرور ہوا ہے ثانیاً صبر کا ذکر ہر جگہ نماز پر مقدم ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق کو قائم کرنے اور باطل کو شکست دینے کی جدوجہد میں مقدم شے جو مطلوب ہے وہ مردانہ اقدام اور راہِ حق میں عزیمت واستقامت ہے۔ آدمی اگر اپنے اس جوہر کو نمایاں کرے اور ساتھ ہی نماز کا اہتمام کرے تو اس کے اس جوہر کو جلا ملتی ہے اور راہ حق کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کا سینہ کھلتا اور اس کا دل ایمان ویقین سے لبریز ہوتا ہے، لیکن آدمی اگر اپنے ارادے اور عزم کو کوئی حرکت نہ دے، صرف کسی حجرے میں بیٹھا ہوا اللہ ہو کا ورد کرتا رہے تو یہ نماز زیر بحث مقصد کے لیے بالکل غیر مفید ہے۔

مذکورہ بالا آیات اور اصلاح امت:

مذکورہ بالا مجموعہ آیات سے جو عام تعلیمات وہدایات نکلتی ہیں بقدرِ ضرورت ہم ان کی وضاحت کر چکے ہیں۔ اب ہم ایک خاص حقیقت کی طرف توجہ دلائیں گے جو انہی آیات سے نکلتی ہے اور اصلاحِ امت کے نقطۂ نظر سے جس کی بڑی اہمیت ہے۔

اوپر کی فصلوں میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ نماز کو میثاقِ خداوندی کے اندر ایمان کے بعد اولین اہمیت حاصل ہے اور یہ بات بھی بیان ہو چکی ہے کہ میثاقِ خداوندی کی تجدید کی جدوجہد میں بھی نماز ہی درحقیقت روح اور وسیلہ ظفر کی حیثیت رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں ''اعراف'' کی آیت ۱۷۰ اَلَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ کی روشنی میں ہم یہ بات بھی واضح کر چکے ہیں کہ قرآن کے نزدیک اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ کتاب اللہ کو جو اصل

میثاق ہے، پوری مضبوطی سے تھاما جائے، اس پر خود قائم ہوکر دوسروں کو قائم کرنے کی کوشش کی جائے اور کسی حال میں بھی یہ حبل اللہ ہاتھ سے چھوٹنے نہ دی جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے اولین عہد کی حیثیت سے بھی اور وسیلۂ ظفر اور ذریعہ کامیابی ہونے کے پہلو سے بھی نماز کے قائم کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ قرآن کے نزدیک یہی اصلاح کا راستہ ہے اور جو لوگ یہ راستہ اختیار کریں وہی لوگ ملت کے حقیقی مصلح ہیں جن کا اجر اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرے گا۔

قرآن حکیم کا یہ بیان تجدید دین واصلاح ملّت کی تمام تحریکات اور تمام دعوتوں کے جانچنے کے لیے ایک کسوٹی فراہم کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہ دعوت یا تحریک اصلاحِ ملت کی صحیح دعوت یا تحریک ہے جس کے مبداء ومعاد، جس کی ابتدا اور انتہاء، جس کے عقیدہ اور عمل، جس کے نصب العین اور پروگرام دونوں میں نماز اور اقامتِ نماز کو وہی اولیّت واہمیت حاصل ہو جو اللہ کے عہد اور اس کی اقامت کی جدوجہد میں فی الواقع از روئے قرآن اس کو حاصل ہے۔ جس دعوت یا تحریک میں نماز کو یہ اولیّت واہمیت حاصل نہ ہو وہ تجدید دین اور اصلاحِ ملت کے نقطہ نظر سے ایک بے برکت بلکہ لاحاصل کام ہے، کیوں کہ وہ اس ریڑھ کی ہڈی سے بھی محروم ہے جس پر تجدید دین کی دعوت کا قالب کھڑا ہوتا ہے اور اس روح سے بھی محروم ہے جس سے اس قالب کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔ (تدبر قرآن، ۱/۶۰۔۶۱، ۱۵۳۔۱۵۹)

☆/☆/☆

تفسیر کبیر کی خصوصیات

ضیاء الدین اصلاحی

امام رازی صاحب کا اصل نام محمد، لقب فخر الدین اور کنیت ابو عبداللہ یا ابوالفضل تھی، امام صاحب نے لکھا ہے کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد سے ہیں، ان کے والد ابوالقاسم ضیاء الدین عمر اپنے زمانے کے بڑے واعظ، متکلم، صوفی، محدث، ادیب اور انشا پرداز تھے، علم کلام، فن اصول و وعظ میں متعدد کتابیں لکھیں، درس و تدریس ان کا عام مشغلہ تھا۔ اچھے واعظ اور فصیح البیان ہونے کی وجہ سے خطیب کہے جاتے تھے اور امام رازی ابن الخطیب کہلاتے تھے۔ امام صاحب اس زمانے کے ایک ممتاز علمی شہر رے میں ۲۵/رمضان المبارک ۵۴۳ھ کو پیدا ہوئے، تعلیم کے لئے اپنے والد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، ان کی وفات کے بعد کمال سمنانی سے فقہ کا اور مجد جیلی سے علم کلام و حکمت کا درس لیا،

تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ مختلف مقامات کے سفر پر نکلے، خوارزم اور ماوراء النہر کے علاوہ غزنہ اور ہندوستان کا بھی سفر کیا، ان جگہوں کے علماء و فضلاء سے ان کے مناظرے بھی ہوئے۔ شروع میں ان کی مالی حالت اچھی نہ تھی، لیکن خوارزم اور ماوراء النہر کے سفر سے رے واپس آنے کے بعد ان کی غربت و افلاس کا خاتمہ ہوگیا اور ان کا شمار رؤسا میں ہونے لگا، مال و دولت کی فراوانی کے ساتھ ان کو ہر قسم کا جاہ و اعزاز نصیب ہوا۔ امراء و سلاطین سے بھی ان کے اچھے تعلقات تھے، غوری اور خوارزم شاہی خاندان کے ممتاز فرماں رواؤں نے امام صاحب کی بڑی قدر و منزلت کی، سلطان غیاث الدین غوری اور ان کے بھائی شہاب الدین غوری دونوں نے امام صاحب کی بڑی قدر دانی کی لیکن اس زمانے میں یہاں فرقہ کرامیہ کا بڑا زور تھا، جس کے امام صاحب بڑے